NAME OF THE CANDIDATE: IMTIYAZ AHMAD TANTRAY

NAME OF THE SUPERVISOR: PROF. WAJEEHUDDIN (SHEHPAR RASOOL)

DEPARTMENT: URDU

TITLE: WAZEER AGHA KI SHAYERI KA TANQIDI MTUALAH

# ABSTRACT

ہمارے یہاں فن پارے کو پرکھنے کے مختلف تنقیدی نظریات رائج ہیں۔ ان سب کو اگر بغور دیکھا جائے تو ان میں بنیادی اہمیت تین نِکات کو حاصل رہی ہے۔ پہلا تخلیق (متن)، دوسرا فن کار (ذاتی حالات و ماحول) تیسرا قاری (مخاطِب / ناقد)۔ مختلف تنقیدی نظریات نے اپنے اپنے طور پر کسی ایک پہلو پر بنیادی زور دیا ہے۔ جیسے ہیتی تنقید کا بنیادی زور متن پر ہے جبکہ نفسیاتی تنقید فنکار اور فن پاروں میں شامل کرداروں کے نفسیاتی پہلوؤں کو بنیاد بنا کر فن پارے کا تجزیہ کرتی ہے۔ تاثراتی یا قاری اساس تنقید قاری کے تاثرات سے علاقہ رکھتی ہے۔ اگر حقیقی تناظر میں دیکھا جائے تو کسی بھی فن پارے کو انصاف کے ساتھ جانچنے کے لیے مذکورہ تینوں نکات کو پیش نظر رکھ کر ہی اس سے صحیح نتیجہ بر آمد کیا جاسکتا ہے۔ وزیر آغا ایسے ہی ناقد ہیں جو ادب میں اسی تثلیث کے قائل ہیں۔ جس کی بدولت انہوں نے اردو ادب میں "امتزاجی تنقید" کے ایک نئے دبستان کو متعارف کرایا۔ امتزاجی تھیوری کے دوش بدوش وہ ادب میں ثقافتی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، لسانی اثرات کے ہمہ گیریت کے قائل تھے۔ انہیں اثرات کے مدِ نظر انہوں نے اردو ادب میں "ارضی تحریک" کی بنا بھی ڈالی۔ جس کی عمدہ مثال "نظم جدید کی کروٹیں"، "اردو شاعری کا مزاج" اور "تخلیقی عمل" ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے "دھرتی پوجا" کی ترکیب استعمال کی جو بعد میں ان کے لیے دُشنام کی صورت اختیار کر گئی۔

وزیر آغا کی شاعری میں "امتزاج" اور ان "ارضی محرکات" کے نقوش بہت نمایاں ہیں۔ ظاہر سی بات ہے جو مطالبہ وہ دوسروں سے کرتے تھے۔ خود کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے فن کو انہیں خطوط پر اُستوار کریں۔ وزیر آغا کی تخلیقات کی جڑیں زمین میں پیوست ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ عمر بھر زمین کے ساتھ چمٹے رہے۔ وہ ہمارے

پیشہ ورانہ ادبا کی طرح گنجان شہروں کے دفتر میں بیٹھ کر کسی گاؤں کا نقشہ نہیں کھینچتے تھے۔ یا کسی کوئل، ہریل، بلبل کا تصور کر کے ان کے راگ ہمیں سناتے! بلکہ انہوں نے اپنی تخلیقات کو ان کی معیت میں پورا کیا۔ میں نے اپنے مقالے میں اس کی کئی مثالیں مدلل بیان کی ہیں کہ جن کے لکھنے کا سبب کسی نہ کسی طور پر کوئی پرندہ، کوئی درخت، زمین کا کوئی ٹکڑا ہی بنا۔ ان کی شاعری میں فطرت ایک زندہ وجود رکھتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی بے جان شے میں جان پڑ گئی، پھر آہستہ آہستہ اس کی نشو نما ہوئی اور اس نے شعور حاصل کیا اور اس کو اب مدِ مقابل شخص بھی مل گیا جس کے ساتھ وہ چہ میگوئیاں کرتی رہتی ہیں۔ ان کو اپنے مظاہر سے باخبر کرتی ہے۔ یہ سب مظاہر فطرت ان کے آنگن میں پلے بڑھے ہیں باب غزل کے ضمن میں لکھ چکا ہوں کہ کس طرح انہوں نے، ہوا، پرندوں، ستاروں، درختوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کر دیا تھا، یہاں تک کہ اب پرندے ان کے بازو پر آ کر بیٹھنے لگتے تھے اور پھول، پودے ان کو مس کرتے تھے۔ وزیر آغا نے بھی ان دوستوں کی دوستی برابر نبھائی، وہ ان کے ساتھ کھیلے، باتیں کیں، مستی کی اور ان کی خوشی و غم میں شریک بھی ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آسمان اور ماورائے آسمان بھی سیر کی ہے جس کی تفصیل سے انہوں نے اپنے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔ بالخصوص غزل تو اسی تفصیل کی داستان ہے۔

اسی طرح ان کی طویل نظموں میں کچھ اچھوتے موضوعات کو انہوں نے مس کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہی ہے کہ سہل پسندی کے دور میں انہوں نے طویل نظم کی روایت کو فروغ دیا۔ وزیر آغا کا اپنا ایک شاعرانہ اختصاص رہا ہے۔ چونکہ وہ فن پارے سے لطف کشید نے کے عادی تھے ساتھ ہی اس کو ثقافتی تناظر میں پرکھنے کے قائل اسی لیے ہم نے بھی کی شاعری کو اسی زاویے سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پندرہ شعری مجموعے ہیں اس اعتبار سے کل نظموں یا غزلوں کی تعداد چھ سو سے زائد بنتی ہے۔ مقالے کے اصول وضوابط کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا اس لیے میں نے ان نظموں کو موضوعاتی تناظر میں ہی پرکھا ہے۔